© rasailojaraid.com

پاکستان امریکا تعلقات کی ابتدا اور دفاعی معاہدوں کا خصوصی جائزہ

اصغر علی*

فیصل جاوید**

سید شہاب الدین***

ممنون احمد خان****

ABSTRACT:

This research paper analyzed that the British behaviour towards the partition of sub-continent was the principal reason behind the beginning of relations between Pakistan and the United States. At the time of its independence in 1947, Pakistan was not self-sufficient regarding its defense necessities and it was also facing threats from India. Indian aggression and British behaviour forced Pakistan to find his friends. Pakistan, a country situated right at the door steps of two Communist countries and the Muslim world was also an important one for US interests in the region. Therefore, the US and Pakistan came close to each other and Pakistan signed multiple defense co-operation treaties with US. However, those treaties were only came into action when US needed it. US did not take any interest to overcome the problems of Pakistan. Even Pakistan fought its two wars against India without any support of US.

پاکستان اور امریکا کے تعلقات ۱۹۴۷ء سے قائم ہیں۔ دونوں ممالک کے تعلقات پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ان پر شدید تنقید بھی کی گئی ہے اور ان کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ پاکستان کو ان تعلقات کے عوض جہاں کچھ فائدہ ہوا ہے وہیں بہت نقصان بھی، مگر یہ تعلقات اپنے تمام نشیب وفراز کے باوجود ابھی تک قائم ہیں۔ امریکا سے تعلقات استوار کرنے کی ایک اہم وجہ برصغیر کی تقسیم تھی۔ پاکستان، آزادی کے بعد سخت مشکلات سے دوچار تھا۔ بھارت کو ایک مخالف ملک سمجھا گیا حالانکہ پاکستان کے پاس نہ تو دفاع کے لیے ہتھیار تھے اور نہ ہتھیار خریدنے کے لیے رقم، ان حالات میں اسے بیرونی مدد کی شدید ضرورت تھی اور اس بیرونی مدد کے لیے امریکا کو منتخب کیا گیا۔

* لیکچرار، شعبہ بین الاقوامی تعلقات، وفاقی اُردو جامعہ برقی پتا: masghardashti@gmail.com

** لیکچرار، شعبہ بین الاقوامی تعلقات، وفاقی اُردو جامعہ برقی پتا: faisal.javaid@fuuast.edu.pk

*** ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی اُردو جامعہ برقی پتا: shahabhashmi2012@gmail.com

**** ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی اُردو جامعہ برقی پتا: mamnoonahmed@yahoo.com

تاریخِ موصولہ: ۱۳؍جنوری ۲۰۱۴ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۴۷ء میں پاکستان کو آزادی کے بعد دیگر مسائل کے ساتھ فوجی اور معاشی امداد کی سخت ضرورت تھی۔ مسلم لیگ کے رہنما چونکہ جمہوریت پر یقین رکھتے تھے اس لیے انہیں کمیونسٹ روس سے مدد کی امید نہ تھی۔ جبکہ روسی رہنما بھی پاکستان کو بہت کم اہمیت دیتے تھے۔ (۱)

چونکہ امریکا دنیا کا امیر ترین ملک تھا لہٰذا اس کا جمہوری نظام بھی نسبتاً زیادہ پرکشش تھا۔ امریکا روس کے ساتھ سرد جنگ کی بناء پر جنوبی ایشیا کو بڑی اہمیت دیتا تھا، اس لیے قیام پاکستان کے فوراً بعد امریکا نے پاکستان کو اپنے زیر اثر لانے کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔

تقسیمِ ہند اور امریکی پالیسی

برصغیر کے بارے میں امریکی انتظامیہ بلاشبہ ایک پالیسی کی حامل تھی۔ جس کی تشکیل دوسری عالمی جنگ کے دوران ہوئی تھی۔ جنگ کے بعد امریکی پالیسی ساز جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کو برطانوی حلقۂ اثر کے علاقے خیال کرتے تھے۔ انہیں اس بات کی تشویش تھی کہ برصغیر کے وسائل اور سہولیات ممکنہ دشمن روس کے قبضے یا حلقۂ اثر میں نہ آجائیں۔ امریکا یہ سمجھتا تھا کہ اس خطے میں عدم استحکام سے سوویت یونین کو مقامی کمیونسٹوں اور دوسرے منحرف عناصر کے ذریعے قدم جمانے کا موقع ملے گا۔ تقسیم ہند کے وقت امریکی پالیسی کے بعض تقاضے پاکستان کے لیے منفی نتائج کے حامل ہو سکتے تھے۔ امریکا ہندوستان میں ذمہ دار ''مقامی'' افراد کو اقتدار منتقل کر کے اس کا مسئلہ سیاسی طور پر حل کرنے کی ہر برطانوی کوشش کی تائید کرنے پر تیار تھا۔ امریکا کانگریس کے ساتھ محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے شدید اختلافات سے بھی آگاہ تھا پھر بھی اسے توقع تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں خیر سگالی سے کام لیتے ہوئے کسی قابل قبول حل کی بنیاد پر ہندوستان کی آزادی قبول کر لیں گے۔ (۲)

امریکی پالیسی سازوں کی یہ رائے تھی کہ ہندوستان کے حصے بخرے ہونے سے امریکا کی سلامتی کے مفادات کو ضعف پہنچے گا۔ اس لیے قائداعظم محمد علی جناح کے پاکستان کے مطالبے کو امریکا میں پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ پاکستان نے اپنی اہمیت واضح کرتے ہوئے امریکا پر یہ باور کر دیا تھا کہ پاکستان امریکی مقاصد کے لیے اہم ثابت ہو سکتا ہے۔

اس صورتحال کے بارے میں امریکی وزیر خارجہ جارج مارشل نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ برصغیر کے بہت سے حصے بخرے کرنے سے سیاسی اور معاشی روایات تباہ و برباد اور پیچیدہ ہو جائیں گی۔ اس سے عدم استحکام کی ایسی صورتیں پیدا ہونگی جو بالآخر اس علاقے میں امریکا کے وسیع تر مفادات کے لیے نقصان دہ ہوں گی۔ (۳)

جب برطانوی حکومت نے بھارت اور پاکستان کو اقتدار منتقل کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا تو امریکی حکومت نے بھی اس کی تائید کر دی اور کہا کہ امریکا کی بڑی تشویش یہ تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طور پر بھی ایسے حالات پیدا نہ ہوں جو برصغیر میں عدم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استحکام کی صورتوں کو جنم دیں۔ کیونکہ اس خطے میں امریکی مفادات کے حوالے سے جو اہداف تھے وہ تقسیم کی پالیسی سے متاثر ہو سکتے تھے۔(۴)

تاہم اس موقع پر بھی امریکا نے پاکستان کا کھل کر ساتھ نہ دیا اسی طرح ۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی میں امریکی سفیر نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے پاکستان کا نام تک نہ لیا اور کہا ’’اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ دو مملکتوں کے قیام کو واشنگٹن فوری طور پر تسلیم نہ کرے۔‘‘(۵)

البتہ امریکی سفیر کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ چونکہ امریکا پہلے متحدہ ہندوستان کی حمایت کرتا رہا ہے۔لہٰذا بداعتمادی کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ امریکی محکمہ خارجہ پاکستان کو سفارتی سطح پر جلد تسلیم کرے۔اس کے فوراً بعد وزیر خارجہ جارج مارشل نے پاکستان کو تسلیم کرنے کے بارے میں صدر کو ایک یادداشت پیش کی۔جس میں ان کا کہنا تھا کہ ہمارے قومی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان کو سفیروں کے تبادلے کی متوقع درخواست کا مثبت جواب دیتے ہوئے جلد از جلد تسلیم کرلیا جائے۔سات کروڑ افراد کی آبادی کا حامل پاکستان دنیا میں سب سے بڑا مسلم ملک ہوگا اور دنیا میں سب سے زیادہ دفاعی اہمیت کے علاقوں میں سے ایک ہوگا۔(۶)

امریکا کے نزدیک پاکستان سوویت یونین کے لیے ایک قابل اعتبار ڈھال ثابت ہوسکتا تھا اور پاکستان آزاد دنیا بشمول امریکا کے اسٹریٹیجک مفادات کے لیے کام آسکتا تھا۔خاص طور پر پاکستان کا اسلامی تشخص کمیونزم مخالفت کے لیے جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں امریکی مفادات کے تکمیل کا ذریعہ ثابت ہوسکتا تھا۔

امریکا کا مسلم لیگ سے پہلا سرکاری رابطہ

۱۴ر نومبر ۱۹۴۶ء میں واشنگٹن کا مسلم لیگ کے ساتھ پہلا سرکاری رابطہ قائم ہوا۔قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی رفیق ایم۔اے۔ایچ اصفہانی (جو امریکا میں پاکستان کے پہلے سفیر تعینات ہوئے) اور بیگم شاہنواز نے امریکی سفارت کار ڈین ایچی سن کو مسلم لیگ کا نکتہ نظر پیش کیا۔امریکا نے نومبر ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان فوری مفاہمت کے لیے دباؤ بڑھادیا۔۳۰ نومبر ۱۹۴۶ء کو برطانیہ کے وزیر اعظم کلیمنٹ اٹیلی (Clement Attlee) نے جواہر لال نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح کو لندن طلب کیا تاکہ تعطل ختم کیا جاسکے۔اس موقع پر امریکا نے اپنے لندن مشن کو ہدایات جاری کیں کہ بھارتی رہنماؤں پر مذاکرات کی کامیابی کے لیے دباؤ ڈالا جائے۔(۷)

نیویارک ٹائمز کے نمائندے ہربرٹ میتھیوز (Herbert Mathews) نے ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء میں بھارت کا تفصیلی دورہ کرنے کے بعد مسلم لیگ کی مقبولیت اور قائداعظم کے مستقبل میں کلیدی کردار کے بارے میں ۴ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ ہندوستان کی شدید اذیت ناک کش مکش میں سے ایک ایسی ہستی نمودار ہوئی جس کے ہاتھ میں مثبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا منفی طاقت کسی بھی دوسرے ہندوستانی سیاسی رہنما سے زیادہ تھی۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح تھے جس کے نرم و نازک ہاتھوں میں اس پہیلی کا جواب پوشیدہ تھا کہ کیا ہندو اور مسلمان مفاہمت کر سکتے ہیں۔(۸)

۲۷ / اگست ۱۹۴۶ء کو امریکا نے ہندوستان کی عبوری حکومت کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے افسوس کیا کہ مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل نہیں ہو رہی اور امید ظاہر کی کہ مسلم لیگ کچھ عرصے بعد عبوری حکومت میں شامل ہو جائیگی۔(۹)

امریکا نے جنوبی ایشیاء کی سیاسی اہمیت اور مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر اور روس و چین تک رسائی کے لیے برصغیر کی آزادی اور پاکستان کے قیام میں دلچسپی ظاہر کی۔ برصغیر کے مسلمانوں اور امریکا و برطانیہ کے طویل المدتی مشترکہ مفادات کے باعث پاکستان کا قیام ممکن ہو گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی امریکی نمائندوں سے ملاقات

قائداعظم آئین اور جمہوریت پر پختہ یقین رکھنے والے مسلم مگر آزاد خیال سیاسی رہنما تھے۔ اسی بنا پر امریکا اور برطانیہ ان کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ لارڈ اسمے کے ساتھ ایک ملاقات میں قائداعظم نے برطانوی افسروں کی بھارت سے روانگی کے بعد کی ممکنہ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان تنہا نہیں رہ سکتا، پاکستان عالمی طاقت کا دوست بنے گا، روس ان کے لیے کشش نہیں رکھتا۔(۱۰)

یکم مئی ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں اپنی رہائش گاہ پر دو امریکی سفارت کاروں، امریکی وزارتِ خارجہ کے جنوبی ایشیا ڈویژن کے سربراہ ریمنڈ اے ہیر (Raymond A Heer) اور بھارت میں امریکی سفارت خانے کے سیکنڈ سیکریٹری تھامس ای۔ ویل (Thomas.E.wail) سے ملاقات کی۔ قائداعظم نے انہیں بتایا کہ چونکہ مسلم لیگ پاکستان کے قیام کا عزم کیے ہوئے ہے اس لیے وہ کسی بھی متحدہ ہندوستان کے تصور کو قبول نہ کریں۔ انہوں نے اپنے ان امریکی مہمانوں پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ ایک آزاد اور خود مختار پاکستان کا ظہور امریکی مفادات کے حق میں ہو گا۔(۱۱)

امریکا کے صدر ہیری ٹرومین (Harry.S Truman) نے پاکستان کی آزادی کے موقع پر ۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء کو گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح کے نام تہنیتی پیغام ارسال کیا جس میں انہوں نے یقین دلایا کہ پاکستان امریکا کی مضبوط دوستی اور خیر سگالی کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کرے گا۔ امریکی حکومت اور عوام آپ کے ملک کے ساتھ طویل قریبی اور خوشگوار مراسم کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم آپ کی خوشی میں شامل ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ پاکستان اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے تیزی سے اقدامات کرے گا۔(۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائداعظم محمد علی جناح نے امریکی صدر کے پرجوش تہنیتی پیغام کا محبت آمیز جواب دیا جو ان دونوں ممالک کے درمیان طویل دوستی کی سنجیدہ خواہش کا مظہر تھا۔انہیں یقین تھا کہ ابتدائی مشکلات پر قابو پانے میں امریکا پاکستان کی مدد کرے گا۔اس لیے قائداعظم نے امریکی صدر کے تہنیتی پیغام کے جواب میں خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے پیغام سے حکومت پاکستان،عوام اور میں بے حد متاثر ہوئے ہیں۔یہ امریکا اور پاکستان کے درمیان طویل قریبی اور خوشگوار تعلقات کا آغاز ہے۔(۱۳)

پاکستان کے حکمرانوں نے امریکی صدر رہیری ٹرومین کے ان الفاظ پر اعتماد کیا جو انہوں نے پاکستانی سفیر ایم۔اے۔ایچ اصفہانی کو یقین دلاتے ہوئے کہے تھے کہ ’’ہم ان تمام مناسب طریقوں سے پاکستان کی مدد کرنے پر تیار ہیں جن سے دونوں ملکوں اور دنیا کو فطری طور پر فائدہ پہنچ سکے۔‘‘(۱۴)

بنیادی طور پر دفاع اور معاشی ترقی پاکستان کی زندگی کے دو بے حد ضروری پہلو ہیں اور پاکستان ان دونوں شعبوں میں مدد کے لیے سب سے پہلے امریکا اور اس کے بعد برطانیہ کی طرف دیکھتا ہے۔دفاعی مقاصد کے لیے پاکستان کو امریکی ہتھیار گولہ بارود نیز بحری اور فضائی جہازوں کے علاوہ ان کے استعمال کے لیے عملے کی تربیت کی سہولتیں درکار تھیں۔

قیام پاکستان کے دو ماہ بعد پاکستان نے صنعتی ترقی اور اپنی فوجی قوت میں توسیع کے لیے باقاعدہ امریکا کی طرف رخ کیا۔لائق علی خان نے یادداشت کے خطوط پر اپنا موقف پیش کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا تھا کہ پاکستان اس وقت اپنی شمالی سرحد پر سوویت خطرے کا سامنا کر رہا ہے۔انہوں نے اس نکتے پر بھی زور دیا کہ چونکہ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعاون نہ ہونے کے برابر تھا اور بھارت نے پاکستان کے مالی اثاثے روک رکھے تھے مہاتما گاندھی کی بھوک ہڑتال کے بعد صرف ۱۷فیصد حصّہ ادا کیا گیا تھا جو پاکستان کی بنیادی ضروریات کے لیے ناکافی تھا۔اس لیے بھارت کے مقابلے میں پاکستان کے فوجی تقاضے زیادہ تھے۔امریکی محکمہ خارجہ کے حکام نے انہیں یہ حوصلہ شکن جواب دیا کہ امریکی حکومت کے پاس حکومت پاکستان کے ’’انتظامی اخراجات‘‘ پورے کرنے کے لیے رقم موجود نہیں۔(۱۵)

لیاقت علی خان کا دورہ امریکا

پاکستانی عوام کو معاشی ترقی کے لیے جس سرمائے،جن وسائل اور جس سطح کی سائنسی ترقی درکار تھی وہ پاکستان میں موجود نہ تھے۔یہ چیزیں صرف مغربی ممالک سے آسکتی تھیں۔چنانچہ تیز رفتار معاشی ترقی کے لیے پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان کی قیادت میں امریکا سے تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا۔اس ضمن میں لیاقت علی خان نے سوویت یونین پر امریکا کو ترجیح دیتے ہوئے امریکا کے دورے کی دعوت قبول کی۔(۱۶) کیونکہ اگر لیاقت علی خان سوویت یونین کے دورے کی دعوت،جو کہ امریکا سے پہلے ہی پاکستان کو دی جا چکی تھی،قبول کر لیتے تو برطانوی اور امریکی عوام میں پاکستان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے۔(۱۷)

لیاقت علی خان نے مئی ۱۹۵۰ء میں امریکا کا دورہ کیا۔امریکی وزارتِ خارجہ نے اُس وقت کے امریکی صدر ہیری ٹرومین کی بریفنگ کے لیے پاک۔امریکا تعلقات کے بارے میں ۱۴صفحات پر مشتمل ایک میمورنڈم تیار کیا جو امریکی سوچ کا مظہر ہے۔اس میمورنڈم کے مطابق لیاقت علی خان کا رجحان امریکا کی جانب تھا۔پاکستان کے عوام کا یہ تاثر پیش کیا گیا کہ امریکا نے کشمیر کے تنازعہ پر بھارت کے ساتھ بڑا نرم رویہ اختیار کیا بلکہ امریکا نے پاکستان کے مقابلے میں بھارت کی حمایت کی اور پاکستان نے امریکا سے بہت کم معاشی اور فوجی امداد حاصل کی۔(۱۸)

مشرق وسطیٰ کے تناظر میں پاکستان کے لیے امریکی حکمت عملی

مارچ ۱۹۵۱ء میں جب ایران میں وزیر اعظم محمد مصدق نے اینگلو۔ایرانین آئل کمپنی کو قومی ملکیت میں لے لیا تو امریکا اور مغربی طاقتوں کے مفادات کو اس خطے میں سخت دھچکا لگا۔یہ بحران آہستہ آہستہ گھمبیر صورت اختیار کر گیا۔کیونکہ ایران کے حوالے سے امریکا اور دیگر مغربی ممالک براہ راست فوجی مداخلت نہیں کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے مشرق وسطیٰ میں مغربی طاقتوں کے تیل سے وابستہ مفادات کو مستقبل میں درپیش خطرات سے بچانے کے لیے امریکا نے نئے سرے سے اپنی حکمت عملی وضع کی۔اس کی ابتدا پاکستان کو ایک نئے فوجی اتحاد میں شرکت کا موقع فراہم کرکے کی گئی۔(۱۹)

مشرق وسطیٰ میں توازن طاقت اور پاکستان

مشرق وسطیٰ کی جغرافیائی صورت حال ڈرامائی طور پر مارچ ۱۹۵۱ء میں ایران کے نیشنلسٹ رہنما محمد مصدق کے تیل کی صنعت کو قومیائے جانے سے تبدیل ہوئی۔برطانیہ اور مغربی طاقتیں کسی بھی صورت اس پوزیشن میں نہیں تھیں کہ وہ ایران کے اس اقدام کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرسکیں۔برطانیہ نے ایران کے تیل کو بیرونی دنیا تک پہنچانے کے تمام ذرائع روکنے کے لیے ہر ممکن طریقے پر فوری عمل درآمد شروع کر دیا۔اس واقعے نے مغرب کی فوجی صلاحیت کی حقیقت عیاں کردی۔ایران پر سفارتی دباؤ بڑھا دیا گیا۔برطانیہ نے ایران کے تیل کو قومیائے جانے کے عمل کو بین الاقوامی عدالت انصاف اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اٹھایا،لیکن ان تمام کوششوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔برطانیہ کی بحری افواج کے یونٹ خلیج فارس پہنچ گئے جبکہ ۳۰۰۰ برطانوی فوجیوں کو قبرص (Cyprus) پہنچا دیا گیا تاکہ وہ ایران کے خلاف کسی فوری ہنگامی صورتحال میں کارروائی کرسکیں۔لیکن یہ بات بھی سب کو پتا تھی کہ یہ صرف اور صرف دکھاوے کے اقدامات ہیں اور برطانیہ کسی بھی طرح اب اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ ایران کے خلاف کوئی بڑی فوجی کارروائی کرسکے۔برطانیہ نے شدید غصے اور دباؤ ڈالنے کے تمام طریقے اور حربے استعمال کیے مگر وہ ایران کے قومیائے جانے کے عمل کو واپس کروانے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیاب نہ ہوسکا۔اس واقعے سے یہ بات پتا چل گئی کہ اس خطے میں برطانیہ کے نکل جانے اور ہندوستان اور پاکستان کی آزادی کے نتیجے میں طاقت کا خلاء پیدا ہو چکا ہے۔ہندوستان اور پاکستان کی آزادی کے بعد برطانیہ کے لیے اُس مرکز کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ برطانیہ نے یہ علاقہ خالی کرتے وقت مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات کے تحفظ کا پوری طرح انتظام اور ادراک نہیں کیا۔ایک اہم برطانوی افسر اولف کیرو جو کہ سابقہ صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) کے گورنر بھی رہ چکے تھے، نے اس مسئلے کا ادراک کرلیا تھا اور مغربی قوتوں بشمول برطانیہ اور امریکا کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ اس علاقے خصوصاً مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنی موجودگی پاکستان میں ضرور رکھیں۔(۲۰)

لارڈ بر ڈوڈ نے اس اہم جغرافیائی تبدیلی کے بارے میں، جس کا کہ اب تک نوٹس نہیں لیا گیا تھا، ان الفاظ میں آگاہ کیا کہ اگر برطانوی دولت مشترکہ ۱۹۴۷ء میں آنے والی تبدیلیوں کے بارے میں نسبتاً لاعلم تھی تو باقی دنیا تو عمومی طور پر بے خبر تھی۔تمام دنیا کی توجہ پاکستان اور ہندوستان کے باہمی تعلقات اور تضادات پر مرکوز تھی۔جبکہ دیگر مسائل میں کشمیر کا تنازعہ اور ہندوستان کے نئے بننے والے آئین کے بارے میں دلچسپی تھی۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے نقشے پر شمالی افریقا سے چین کے سمندروں تک آنے والی اہم تبدیلی کو غور کئے بغیر جانے دیا گیا۔ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کے عمل سے آنے والی اس بڑی تبدیلی کے منفی نتائج کا مداوا اور سدباب اس طرح کیا جاسکتا تھا کہ پاکستانی فوج بوقت ضرورت برطانوی اور دیگر مغربی قوتوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنی خدمات پیش کر سکے۔(۲۱)

یہ خیال ہی دراصل پاکستان اور امریکا کے فوجی اتحاد کی بنیاد بنا۔امریکی دانشوروں اور مشیروں نے بھی ان ہی خطوط پر سوچنا شروع کردیا۔اس صورتحال میں سب سے بنیادی غوروفکر کی بات یہ تھی کہ

۱۔ ایران برطانیہ جھگڑے کی صورت میں مغربی یورپ کو، جو کہ اس وقت امریکا کا مکمل اتحادی تھا، تیل کی ترسیل مکمل طور پر بند ہوسکتی تھی۔

۲۔ ایران کے تیل کو قومیائے جانے کے عمل سے خلیج فارس میں امریکی مفادات کو مزید دھچکا لگنے کا خدشہ تھا۔

۳۔ برطانیہ کے اس علاقے سے نکل جانے کے بعد جنوب میں مغربی اثر ورسوخ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

۴۔ ایران کی اپنی اقتصادیات کو جھٹکا لگ سکتا تھا جسکا فائدہ ایران کی تودہ پارٹی کو پہنچ سکتا تھا اور جو بالآخر ایران میں کمیونسٹ خطرہ کا باعث بن سکتا تھا۔(۲۲)

امریکی انتظامیہ دو سال بعد صدر آئزن ہاور کے دورِ اقتدار میں ایڈن کی اس تجویز سے متفق ہوئی کہ بجائے ایران کی مصدق حکومت کو رام کرنے یا خریدنے کی کوشش ہو، بہتر یہ ہوگا کہ وہ اپنے مفادات کے حصول اور تحفظ کے لیے کسی متبادل کی تلاش شروع کردے۔سی آئی اے کو اپنے اس مقصد کے حصول میں زیادہ وقت نہ لگا اور انہوں نے آپریشن اجکس (Operation Ajax) کی صورت میں ۱۹/اگست ۱۹۵۲ء کو مصدق حکومت کا تختہ الٹ کر شاہ ایران کو تمام اختیارات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ امریکی سائے میں بحال کر دیا۔(۲۳) امریکا اور دیگر مغربی ممالک کے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے یہ تبدیلی لایا جانا نہایت ضروری تھا۔(۲۴)

یہ ابتدا سے اختتام تک مکمل طور پر امریکی کارروائی تھی۔اس مسئلے کو مستقل طور پر حل کرنے کے لیے اس علاقے میں امریکا کو مشرق وسطی کے لیے ایک نئی حکمت عملی بنانے کی ضرورت تھی۔جس کے لیے مقامی زیر اثر حکومتوں کا اتحاد بنانا ضروری تھا۔پاکستان اور ترکی اس منصوبہ بندی میں کلیدی کردار ادا کر سکتے تھے۔

پاکستان، امریکا باہمی دفاع اور امداد کا معاہدہ

نومبر ۱۹۵۳ء میں امریکا نے بھارت کو باضابطہ طور پر مطلع کیا کہ وہ پاکستان کو فوجی امداد فراہم کرنے کے معاملے پر غور کر رہا ہے۔اسی طرح جب مئی ۱۹۵۴ء میں پاکستان اور امریکا کے درمیان باہمی دفاعی معاونت کا معاہدہ ہوا تو امریکی صدر آئزن ہاور نے بھارت کو یقین دلایا کہ پاکستان کو اس امداد کو بھارت کے ساتھ تنازعات میں بطور ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔تاہم اگر پاکستان نے اس طرح کی کوئی جارحیت کی تو امریکا توازن بحال کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔(۲۵)

۱۹۵۳ء کے آخری ایام میں باہمی سلامتی کے امریکی قوانین کے تحت پاکستان نے فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے ایک رسمی درخواست دی۔۲۵ جنوری ۱۹۵۴ء کو امریکا نے اس درخواست کو قبول کیا اور ۱۹ مئی ۱۹۵۴ء کو ایک دفاعی معاہدے پر دستخط ہوئے۔جس کی رو سے پاکستان کی مسلح افواج کو فوجی ساز و سامان اور تربیتی سہولتیں فراہم کرنے کا اعلان کیا گیا۔(۲۶) معاہدے کی اہم دفعات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ امریکا پاکستان کو تحفظ اور ترقی کے لیے مختلف قسم کا ضروری سامان اور امداد فراہم کرے گا۔اس امداد کی فراہمی اور استعمال اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق ہوگا۔

۲۔ حکومت پاکستان اس امداد کو صرف اپنے جائز دفاع اور اقوام متحدہ کی مجموعی سلامتی کے انتظامات یا اقدامات میں استعمال کر سکے گی۔ پاکستان کسی دوسرے ملک پر حملہ آور نہیں ہوگا۔معاہدے میں طے شدہ امور کے علاوہ دیگر مقاصد کے لیے یہ امداد استعمال نہیں کی جا سکے گی۔

۳۔ بوقت ضرورت دونوں ممالک خفیہ معاہدے بھی کر سکیں گے۔

۴۔ اس معاہدے سے ہونے والے فوائد سے عوام کو باخبر رکھا جائے گا۔

۵۔ امریکا پاکستان کو مالی امداد بھی فراہم کرے گا۔

۶۔ امریکا مسلح افواج کے ماہرین کو اعلیٰ تربیت بھی فراہم کرے گا۔

۷۔ تمام امدادی اشیاء کسٹم ڈیوٹی سے مبرا ہوں گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ تعلیم ،معاشیات اور سماجی امور سے متعلقہ وفود کے تبادلے بھی ہونگے۔

۹۔ دونوں ممالک کے مابین تجارت کوفروغ دیا جائے گا۔

سیٹو (South East Asian Treaty Organisation)

جولائی۱۹۵۳ءمیں کوریا میں جنگ بندی کے بعد چین کے لیے ممکن ہوگیا کہ وہ شمالی ویت نام کی معاونت میں اضافہ اوراس طرح ہندچینی میں فرانس کی پوزیشن اوربھی دگرگوں کر سکے۔ چنانچہ ۱۳؍ مارچ ۱۹۵۴ءکو ویت نام کی بری فوج نے ڈین بین پھو میں ایک فرانسیسی چھاؤنی کا محاصرہ کرلیا۔اس کے چندروز بعد سیکرٹری اسٹیٹ ڈلس نے اعلان کیا کہ جنوب مشرقی ایشیاء میں کمیونزم کے تھوپے جانے کے عمل کو خاموشی سے قبول نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ اس کے لیے متحدہ ردّعمل کی ضرورت ہے۔البتہ برطانیہ کا خیال تھا کہ ویت نام میں امریکا کی براہ راست مداخلت تیسری عالمی جنگ کا راستہ کھولے گی۔جنوب مشرقی ایشیا کے اجتماعی دفاع کے لیے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے اس پر غور کے لیے واشنگٹن میں ایک اینگلو امریکن اسٹڈی گروپ قائم کیا گیا۔اس پروگرام کے مطابق اگلا قدم جنوب مشرقی ایشیا کے لیے اجتماعی دفاعی نظام کے قیام کے معاہدے کی تکمیل تھی جس کی تفصیلات ورکنگ گروپ نے پہلے ہی تیار کررکھی تھیں۔(۴۷)

پاکستان کے وزیرِ خارجہ ظفر اللہ خان کی کوششوں کے باوجود امریکا کے وزیرِ خارجہ ڈلس بھارتی جارحیت کا جواب دینے کی شق معاہدہ میں شامل کرنے کے لیے رضامند نہ ہوئی اور واضح کیا کہ سیٹو کا معاہدہ صرف کمیونسٹ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوگا۔ظفر اللہ خان نے حکومت پاکستان کی منظوری کے بغیر ہی سیٹو کے ڈرافٹ سے اتفاق کرلیا پاکستان کے دانشوروں نے سیٹو کے معاہدے پر تنقید کی تو ظفر اللہ نے مستعفی ہوجانے کی دھمکی دے کران اقدام کی منظوری حاصل کرلی۔(۴۸) پاکستان نے امریکا سے معاہدہ کر کے روس کو ناراض کرلیا جبکہ بھارت غیر جانبدار رہا۔ بھارت نے کمیونسٹ ممالک کے علاوہ مغربی ممالک سے بھی مالی امداد حاصل کی۔

پاکستان کے سیٹو سے عدم اطمینان کی معقول وجوہات موجود تھیں۔اس کے قواعد کے رو سے ظاہر تھا کہ اسے بھارتی حملے کی صورت میں کوئی مدد نہیں ملے گی کیونکہ جتنے بھی بڑے ممالک اس معاہدہ میں شامل تھے ان کی سرزمین SEA TO کے خطے ہی میں نہ تھی اور پاکستان کے لیے سب سے اہم ترین خطرہ بھارتی جارحیت تھا۔معاہدہ کی شق نمبر۴ پیراگراف نمبر۱ کی رو سے امریکی امداد صرف کمیونسٹوں کی جارحیت کے خلاف استعمال کی جاسکتی تھی۔ اگرچہ پاکستانی وزیر خارجہ نے بھرپور دلائل دے کر کہا کہ جارحیت تو جارحیت ہے،مگروہ امریکا کو مذکورہ شق شامل کرنے سے نہیں روک سکے۔

پاکستان نے منیلا کانفرنس میں شرکت ضرور کی تھی مگر وہاں کسی قسم کا معاہدہ نہیں کیا تھا اور سیٹو میں بھی اس وقت تک شرکت نہیں کی تھی جب تک کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے واپس آ کر کابینہ کو رپورٹ پیش نہیں کردی۔ چونکہ کونسل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجلاس کی تاریخ قریب آرہی تھی اس لیے پاکستان پر امریکی دباؤ بڑھا کہ وہ اس سلسلے میں واضح موقف اختیار کرے۔شاید پاکستان کے پاس اس کا کوئی متبادل بھی نہیں تھا، کیونکہ وہ امریکا کے ساتھ باہمی دفاع کا معاہدہ کر چکا تھا جسکی رو سے وہ خطے کے دفاع میں شمولیت کا پابند تھا۔لہٰذا اگر پاکستان SEA TO میں شمولیت سے انکار کرتا تو امریکی، امداد سے ہاتھ کھینچ لیتے جس کی پاکستان کو اشد ضرورت تھی۔۱۹۵۴ء میں جس معاشی امداد کا وعدہ ہوا تھا وہ بھی عملی شکل اختیار نہ کر پائی تھی۔

تاہم ایک بار جب پاکستان نے سیٹو کی رکنیت اختیار کرلی تو پھر اسے پر جوش طریقے سے نبھایا تاوقت یہ کہ اسے ۱۹۶۲-۶۳ء میں اپنی خارجہ پالیسی پر مکمل نظر ثانی کی ضرورت پیش آئی۔ یہ ضرورت اس لیے پیش آئی کہ پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی کا مکمل انحصار امریکا پر رکھ دیا تھا اور اسے نبھانے کی بھی پر خلوص کوششیں کی تھیں، مگر پاکستان کو ان کوششوں کے مطابق صلہ نہیں ملا۔ پاکستان نے سیٹو آرگنائزیشن کے بارے میں اپنے تحفظات سے آگاہ کیا کہ وہ اس کی دفاعی ضرورتوں کو مکمل طور پر پورا کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں وزیر خارجہ فیروز خان نون نے کہا کہ پاکستان کو ایسے معاہدے میں شرکت کرنی چاہیے جو اس کی ضرورت ہو۔اس کی مثال نیٹو (NATO) ہے۔جس میں ایک رکن پر حملہ دیگر ارکان پر حملے کے مترادف ہے۔۱۹۵۸ء میں جب اس وقت کے وزیر خارجہ منظور قادر کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے واشنگٹن گئے تو انہوں نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان سیٹو کی حمایت کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کی ساخت نیٹو جیسی ہو۔یعنی اس کا ایک صدر دفتر ہو اور ہر ملک میں فوجی یونٹ ہو جسکا مقصد ہی سیٹو سے متعلق مسائل سے نمٹنا ہو۔

کسی ملک نے خود اپنے مفادات پر پیشگی غور وفکر کے بغیر اور اپنے عوام کے احساسات کا کوئی لحاظ کئے بغیر اپنے آپ کو کسی فوجی اتحاد کے راستے میں اس طرح نہ جکڑا ہوگا۔لیکن ظفر اللہ خان نے اس اتحاد کے بڑے سرپرستوں سے نہ تو کوئی سنجیدہ سوال پوچھے تھے اور نہ ہی ان ٹھوس فوائد کے بارے میں کوئی واضح ضمانت حاصل کی تھی جن کی توقع وہ ان اضافی ذمہ داریوں اور خطرات کو قبول کرنے کی بنا پر کرسکتے تھے۔(۲۹)

بغداد پیکٹ/سینٹو (Central Treaty Organization)

بغداد پیکٹ کی تشکیل روس کے جنوب کی طرف توسیع کے جاری ارادوں کے خلاف دفاع کی غرض سے ہوئی۔ کیونکہ روس بحیرۂ کیسپین اور بحیرہ اسود کے راستے وسطِ ایشیا تک آنے کے لیے بے قرار تھا۔ بغداد میں ترکی اور عراق کے درمیان ۲۴فروری ۱۹۵۵ء باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ جبکہ پاکستان بھی فروری ۱۹۵۵ء میں بغداد پیکٹ کا رکن بن گیا جسے بعد میں سینٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن (CE NTO) سینٹو کا نام دیا گیا۔ایران، عراق، ترکی اور برطانیہ سینٹو کے رکن تھے اور اس کا سرپرست امریکا تھا۔(۳۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس معاہدے میں اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ تمام فریق اپنی سلامتی اور دفاع کے معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔اسی طرح امریکا نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ ان تمام ممالک کے ساتھ تعاون کرے گا جو اس معاہدے پر دستخط کریں گے۔مزید برآں اگر پاکستان کو کسی طور پر مسلح جارحیت کا سامنا ہو تو امریکا فوراً اور مؤثر طریقے سے پاکستان کی مدد کو آئے گا۔اس کے علاوہ اگر پاکستان کی علاقائی سالمیت یا معاہدہ سینٹو کے ممبران ممالک کی سیاسی خودمختاری کے لیے کوئی بھی خطرہ پیدا ہوا تو امریکا اس کو نہایت سنجیدگی سے لے گا۔(۳۱)

سیٹو کی طرح بغداد پیکٹ میں بھی بہت سی خامیاں تھیں۔اس میں سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس میں متحدہ ملٹری کمان کی کوئی شق نہیں تھی۔عراق میں رونما ہونے والے جولائی ۱۹۵۸ء کے انقلاب کے بعد عراق نے اس پیکٹ کی کارروائیوں میں شمولیت ترک کردی۔اکتوبر میں معاہدے کا ہیڈکوارٹر انقرہ منتقل ہوگیا اور مارچ ۱۹۵۹ء میں عراق نے باقاعدہ اس سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔اور بالآخر اگست میں اسکا نام بھی تبدیل کرکے سینٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن کردیا گیا۔ امریکا نے معاہدۂ بغداد کی پبلسٹی بھی کی،اس کی کارروائیوں میں بھی حصہ لیتا رہا مگر آخر تک اس معاہدے پر دستخط نہیں کیے۔ کیونکہ امریکا کی رکنیت سے مصر اور عرب اتحادیوں کی دل شکنی ہوگی۔مصر،اسرائیل کے خلاف فوجی مدد کا مطالبہ کرے گا اور اس سے آئندہ امریکی انتخابات میں ایسا ایشو کھڑا ہوسکتا ہے جسکا جواب دینا مشکل ہوجائے۔

البتہ امریکا نے اپنے رویے کے برعکس خود کو پیکٹ کا سرپرست ہی سمجھا۔پاکستان نے سیٹو کے مقابلے میں زیادہ جوش وخروش کے ساتھ بغداد پیکٹ میں شمولیت اختیار کی کیونکہ پاکستان کی روایات میں مسلم ممالک کے شانہ بشانہ رہنا شامل تھا۔علاوہ ازیں اس وقت پاکستان یہ سمجھتا تھا کہ سوویت یونین واقعی مشرق وسطیٰ کے لیے خطرہ ہے۔تاہم پاکستان کو اپنے مغربی دوستوں سے بالواسطہ طور پر یہ جواب ملا کہ ان سے اس کی توقعات کا پورا ہونا ممکن نہیں۔جس میں اولیت بھارت کے حملے کی صورت میں تحفظ کی ضمانت سرفہرست تھی۔امریکہ جب بغداد پیکٹ کی ملٹری کمیٹی میں بن بلائے آگیا تو اس نے یہ اعلان بھی کیا کہ پیکٹ میں اس کی موجودگی صرف سوویت یونین کو محدود کرنے کی غرض سے ہے اور باقی علاقے کے معاملات سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔برطانوی وزیر دفاع ڈنکن سینڈیز نے بھی یہ اعلان کیا کہ برطانیہ اور امریکا خطے کا دفاع صرف سوویت یونین کی طرف سے کی جانے والی ممکنہ جارحیت کے خلاف کریں گے۔(۳۲)

پاکستان نے جب اس پیکٹ میں شمولیت اختیار کی تو اسے مضبوط اور مؤثر بنانے کے لیے سخت کاوش کی۔جنوری ۱۹۵۸ء کے کونسل اجلاس میں پاکستانی وزیر خارجہ فیروز خان نے زور دیا کہ بغداد پیکٹ کا اصول بھی نیٹو کی طرح یہ ہونا چاہیے کہ ایک رکن کے خلاف حملہ تمام ارکان کے خلاف حملہ تصور ہو۔لیکن ایران اور پاکستان کے علاوہ کسی کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔البتہ یہ دونوں ممالک کونسل کے نویں اجلاس اپریل ۱۹۶۰ء میں جنرل رینک کے افسر کو ملٹری اسٹاف کمانڈر کے طور پر متعین کرانے میں کامیاب ہوگئے۔جس کا کام دفاعی منصوبہ بندی کے معیار میں بہتری کی تجاویز پیش کرنا تھا۔مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے شاندار کامیابی قرار نہیں دیا جاسکتا تھا کیونکہ اس کمانڈر کا کنٹرول صرف ملٹری کمیٹی پر تھا۔فورسز اس کے اختیار سے باہر تھیں۔۱۹۶۰ء کی دہائی کے ابتدائی دنوں میں دونوں اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ پاکستان کا رویہ بھی مغربی ممالک کے لیے سرد مہری کا سا ہو گیا۔پاکستان کو تلخ تجربہ ہوا کہ امریکا اور برطانیہ اس کے ساتھ قریب ترین مراسم کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس کے مستقل حریف بھارت کو مسلسل مسلح کر رہے تھے۔(۴۳)

ماحصل

گزشتہ کئی سالوں کے دوران امریکا اور پاکستان کے باہمی تعلقات تغیر پذیر رہے۔کبھی قربتیں بڑھ گئیں اور کبھی فاصلے پیدا ہو گئے۔۱۹۵۰ء کی دہائی میں جب بھارت نے ''غیروابستگی'' کا انتخاب کیا تو پاکستان امریکا کی توجہ کا مرکز بن گیا اور پاکستان نے اس توجہ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔پاکستان اور امریکا کے اتحاد کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ اس کا مقصد ہندوستان کے خلاف پاکستان کو مضبوط بنانا ہے۔لیکن حقیقت یہ تھی کہ ہندوستان میں امریکی مفادات اس قدر اہم تھے کہ وہ پاکستان کے ساتھ روابط استوار کر کے بھارت میں اپنے مفادات کو قربان کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔تاہم بعد میں بدلتی صورتحال کے پیش نظر امریکا کی علاقائی سطح پر دفاعی حکمت عملی وہ نہ رہی جو اس سے پہلے تھی۔

علاقائی صورتحال میں نمودار ہو جانے والی بنیادی تبدیلیوں کے پیش نظر امریکا کے تعاون اور پشت پناہی کے ساتھ مشرق وسطیٰ کے لیے ایک فوجی حکمت عملی کو تشکیل دیا گیا جو کہ امریکا اور مختلف ممالک کے ساتھ فوجی اتحاد پر مبنی تھی۔اس فوجی اتحاد میں پاکستان اور ترکی کو کلیدی کردار ادا کرنا تھا۔حکومت پاکستان کو بھی اس ضمن میں اس کے لیے مختص کردار ادا کرنے کے لیے فوجی قوت کو بڑھانے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

چنانچہ اس عرصے کے دوران فوجی معاہدوں کا پورا ایک سلسلہ وجود میں آیا۔جس کے ذریعے مشرق وسطیٰ سے متعلق امریکا کی نئی فوجی حکمت عملی وجود میں آئی۔اس فوجی حکمت عملی کا انحصار پاکستان پر تھا کیونکہ اس خطے میں ضرورت پڑنے پر امریکا اور اس کے دیگر اتحادیوں کو فوجی فراہم کرنے کی ذمہ داری پاکستان کو ملی۔پاکستان کو اس صورت میں فوجی مداخلت کے لیے فوجی مہیا کرنے تھے اگر مغرب کی کسی بھی دست نگر حکومت کو بیرونی حملے کا خطرہ ہو یا پھر اسے ملک کے اندر ہی سے قوم پرست یا انقلابی تحریکوں کا سامنا ہو تو اس مقصد کے لیے امریکا نے پاکستانی افواج کو اسلحہ سے لیس رکھنے کے لیے فوجی امداد فراہم کرنا شروع کر دی لیکن اس کے لیے یہ شرط رکھی گئی کہ یہ اسلحہ صرف امریکی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

لیکن ان معاہدوں سے پاکستان کو بہت سے نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔وہ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، اسے مسلم اتحاد کے لیے کام کرنا چاہیے تھا وہ امریکی بلاک کا آلہ کار بن گیا۔پاکستان نے ان معاہدوں میں بھارتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطرے کے پیشِ نظر شمولیت اختیار کی تھی ۔پاکستان امریکا کو یہ باور کراتا رہا کہ اسے اتحادی سمجھا جائے۔اس پر کسی بھی حملے کی صورت میں باہمی سلامتی کے سمجھوتے کے تحت امریکا پاکستان کی مدد کرے۔امریکا نے ۱۹۵۹ء میں ہونے والے باہمی تحفظ کے سمجھوتے پر عمل کرنے کے بجائے اقتصادی امداد، ہتھیاروں اور فاضل پرزہ جات کی فراہمی بند کردی۔۱۹۶۵ءاور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں امریکا پاکستان کا ایک ناقابل اعتبار حلیف ثابت ہوا۔اس طرح پاکستان کو ان معاہدوں میں شامل ہونے کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ پاکستان اور امریکا کے درمیان ہونے والے تمام دفاعی معاہدے صرف دستاویزات کی حد تک ہی محدود رہے اور ان معاہدوں پر قطعی طور پر عمل نہ ہوا اور مشرقی پاکستان میں فوجی جارحیت اور اس کے علیحدگی کے باوجود امریکا خاموش تماشائی بنا رہا۔

مراجع وحواشی

(۱) Bhatti, Maqbaol Ahmed,"Great Power and South Asia:Post Cold War trends", Vol.5, South Asian Studies, Institute of Regional Studies,1996,P-100.

(۲) قائم مقام وزیر خارجہ (ڈین ایچی سن) کا برطانیہ میں سفارت خانے کے نام 4اپریل 1947ء ''خارجہ تعلقات 1947ء''، ج۔3،ص ص:151-152

(۳) وزیرِ خارجہ (جارج مارشل) بنام امریکی سفارت خانہ نئی دہلی، 4مارچ 1948 ''خارجہ تعلقات 1948ء'' ج3،ص ص۔310-313۔

(۴) امریکی محکمہ خارجہ کی پریس ریلیز، عدد 466۔ 10جون 1947ء۔بحوالہ: رامانی، ایم۔ایس وینکٹے ''پاکستان میں امریکہ کا کردار''، اُردو ترجمہ''The American Role in Pakistan'' مترجم: قاضی جاوید، فکشن ہاوس، کراچی، 2012،ص۔8

(۵) نئی دہلی میں سفیر (گریڈی) بنام وزیرخارجہ (جارج مارشل)، 7جولائی 1947، ''خارجہ تعلقات 1947،'' ج3۔ص۔ 159

(۶) یادداشت برائے صدر (ہنری ایس ٹرومین) وزیر خارجہ (مارشل) کی جانب سے 17جولائی 1947ء, بحوالہ: رامانی، ''پاکستان میں امریکی کردار'' ص۔9.

(۷) امریکی سفارت خانہ لندن کے نام اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کا ٹیلی گرام، بتاریخ 30نومبر، 1946ء, بحوالہ:قیوم نظامی، ''پاکستان امریکہ: بنتے بگڑتے تعلقات''، جہانگیر بکس، لاہور، سن ندارد،ص۔ 23

(۸) Kux,Denis,"The united States and Pakistan 1947-2000: Disenchanted Allies,",Woodrowilson Centre Pess, Washington, 2001, P-6.

(۹) امریکی مشن نئی دہلی کا سٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے نام ٹیلی گرام، بتاریخ یکم مئی، 1946ء نمبر .DSR,NR 845.00/6-746، بحوالہ: قیوم نظامی، ''پاکستان امریکہ: بنتے بگڑتے تعلقات''، جہانگیر بکس، لاہور، سن ندارد،ص۔ 20

(۱۰) رامانی، ایم۔ایس وینکٹے ''پاکستان میں امریکا کا کردار''، اردو ترجمہ از، ''The American Role in Pakistan'' مترجم: قاضی جاوید، فکشن ہاؤس، کراچی، ۔1،ص۔2012

(۱۱) امریکی خارجہ پالیسی کی ایک دہائی: بنیادی دستاویزات 1941-1949، واشنگٹن، 1985،ص۔ 659 15.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۲) فائل 845، ریکارڈ 59، نیشنل آرکائیوز، واشنگٹن۔ڈی۔سی، 1948۔

(۱۳) کھرل، صاحب رضا حسنین، اے۔ڈی میکین ''پاکستان کی خارجہ پالیسی''، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2006ء، ص 128-129

(۱۴) نیویارک ٹائمز، 9 اکتوبر 1947ء۔

(۱۵) گفتگو کی یادداشت از، ای۔ایف۔فوکس۔این ای اے ساؤتھ ایشیاء 17 اکتوبر۔1947ء 51/10.1747۔ایف 84

(۱۶) علوی، حمزہ،'' پاکستان ریاست اور اس کا بحران''، فکشن ہاؤس، لاہور، 2012ء، ص۔ 334

(۱۷) W.J, Brands,"India,Pakistan and the Great Powers,Caouncil on Foreign Relations", Pall Mall Press, London,1972, P-226.

(۱۸) علوی، حمزہ،''تخلیق پاکستان: تاریخی وسماجی مباحث''، تاریخ پبلیکیشنز، لاہور، 2012ء، ص ص۔ 91-93

(۱۹) Birdwood, Lord,"A Continent Decides", Robert Hale, London, 1953, p-21.

(۲۰) Ramazani, R.K,"Iran's Foreign Policy:1941-73.University of Virginia Press, Charlottesville, 1975, P-29.

(۲۱) Ibid,P-31.

(۲۲) Tully, Andrew,"C,I,A:The Inside Story", William Morrow,New York,1962, P-35.

(۲۳) نیویارک ٹائمز، 14 دسمبر 1953ء۔

(۲۴) نکسن، رچرڈ۔ایم، "رچرڈ۔ایم نکسن کی یادیں"، (لندن 1978ء) ص۔ 133، نیویارک ٹائمز، 9 دسمبر 1953ء۔

(۲۵) نیویارک ٹائمز۔ 10-20 دسمبر 1953ء۔

(۲۶) کھرل، میکین،''پاکستان کی خارجہ پالیسی''، ص۔ 173

(۲۷) Siddiqui, Aslam, "American Military Aid for Pakistan", Pakistan Horizon, vol. xii, No.1, March 1958, Pakistan Institute of International Affairs,Karachi, P-27.

(۲۸) آریا، پالیش چندر،''پاکستان کے ساتھ امریکا کے تعلقات کے بعض پہلوؤں کا مطالعہ: 1947۔ 1959''، پی ایچ ڈی کا مقالہ، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی، 1966ء ص ص۔ 73-175۔

(۲۹) کھرل، میکین،''پاکستان کی خارجہ پالیسی''، ص ص۔ 337.

(۳۰) ایضاً ص۔ 173-180.

(۳۱) رامانی،''پاکستان میں امریکا کا کردار''، ص 337

(۳۲) Kux, P-48

(۳۳) Khan, Rais, Ahmed, "In Sarah of Peace and Security: Forty Years of Pakistan United States Relations", Royal Book Company, Karachi, 1990, P-32

© rasailojaraid.com